کچھ تذکرہ نجف اشرف کی سرزمین کا

جناب شکیل حسن شمسی صاحب ''راشٹریہ سہارا'' دہلی

عہد قدیم میں ہندوستان کی سرحدیں ایران سے ملتی تھیں اس لئے ہندوستانی تاجر، علماء اور زائرین اسی راستے سے ایران ہوتے ہوئے عراق تک پہنچتے تھے۔ اس زمانے میں عراق جانے والے لوگ گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں پر سوار ہوکر دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے منزل تک پہنچتے تھے۔ اس کے علاوہ کراچی و گجرات کے ساحلوں سے بصرہ تک کشتیوں کے ذریعہ بھی لوگ سفر کرتے تھے، لیکن انگریزوں کے دور حکومت (انیسویں صدی) میں جب پانی کے جہازوں کا تجارتی سفر باقاعدگی سے شروع ہوا تو کراچی اور ممبئی سے بحری جہازوں کے ذریعہ زائرین بصرہ تک جانے لگے۔ یہ سروس کافی راحت بھری تھی گو کہ اس میں بیس پچیس دن کا سمندری سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں کی سواری کر کے سفر کرنے کے مقابلے یہ بہت آسان تھا۔ بصرہ سے بسوں کے ذریعہ زائرین کربلا اور نجف کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان سے عراق و ایران جانے کا راستہ بند ہوگیا اور ساتھ ہی کراچی کی بندرگاہ بھی ہندوستانیوں کے لئے بند ہوگئی اور صرف ممبئی سے ہی بحری جہازوں کے ذریعہ عراق تک پہنچنے کا راستہ رہ گیا، لیکن ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پٹرول کے دام اس قدر بڑھ گئے کہ پانی کے جہاز کا کرایہ ہوائی جہاز سے زیادہ مہنگا ہوگیا۔ اس وجہ سے پانی کے جہاز بند ہوگئے۔ زائرین ہوائی جہازوں سے ایران اور شام ہوکر عراق پہنچنے لگے۔ ویسے تو بغداد کا ہوائی اڈہ ۱۹۸۲ء میں بن کر تیار ہوگیا تھا، لیکن زیادہ تر قافلے ایران اور شام کے راستے ہی عراق جاتے تھے کیوں کہ اس طرح وہاں بھی زیارت کا موقع مل جاتا ہے۔

۱۹۹۱ء میں عراق کی معاشی واقتصادی ناکہ بندی کے سبب عراق تک ہوائی جہازوں سے جانا ناممکن ہوگیا۔ عراق پر امریکی حملے کے ایک سال بعد اپریل ۲۰۰۴ء میں بغداد کے ایئرپورٹ سے ہوائی جہازوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ جہاں سے کربلا کی مسافت صرف ۱۰۰ ارکلومیٹر ہے، مگر ہندوستان سے فلائٹس کا سلسلہ شروع نہیں ہوسکا اور زائرین کے قافلے ایران وشام کے راستے عراق میں پہنچتے رہے، لیکن ۲۰۰۸ء میں نجف اشرف کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی پروازوں کے لئے کھول دیا گیا تو زائرین کے لئے بے انتہا آسانی ہوگئی گو کہ ہندوستان سے عراق کے لئے کوئی براہ راست فلائٹ نہیں ہے حالانکہ ہندوستانی زائرین مسلسل یہ مانگ کررہے ہیں کہ نجف اور دہلی کے درمیان براہ راست فلائٹس شروع کی جائیں بہرحال دہلی سے بحرین اور شارجہ کے راستے نجف کی فلائٹس شروع ہوجانے کی وجہ سے ہندوستانی زائرین کو بہت راحت ہوگئی ہے۔

میں اور پروفیسر عین الحسن جشن ربیع الشہادہ کی تقریبات میں شرکت کے لئے دہلی سے گلف ایئر کی فلائٹ کے ذریعہ ہی روانہ ہوئے اور بحرین ایئرپورٹ پر ہماری ملاقات وفد کے دوسرے ممبروں مرزا عباس بیگ، آغا سلطان اور ڈاکٹر محمد رضا سے ہوئی، جہاں سے ہم ایک گھنٹہ بعد نجف کی فلائٹ پر سوار ہوئے۔ شاید یہ دنیا کی پہلی فلائٹ تھی، جس کے روانہ ہوتے ہی سارے مسافروں نے بآواز بلند نعرۂ درود بلند کیا۔ ایک گھنٹہ دس منٹ کے بعد جب ہماری ایئربس نے لینڈ کیا تو پھر زوردار نعرۂ درود کی آواز گونجی۔ نجف کا ہوائی اڈہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی فوجی بیرک تھی، جس کو

تھوڑا بہت تبدیل کر کے ہوائی اڈے کی شکل دے دی گئی ہے۔ یہاں نہ تو ڈیوٹی فری دکانیں تھیں نہ ہی کسی انٹرنیشنل ایئرپورٹ جیسا ماحول تھا۔ نہ یہاں سگریٹ پینے پر کوئی پابندی تھی۔ ہمارے خیرمقدم کے لئے تو کربلا کے عتبۃ الحسینیہ کے لوگ آئے ہوئے تھے، لیکن یہاں سے دوسرے مسافروں کے جانے کے لئے کوئی پرائیویٹ گاڑی نہیں تھی۔ یہاں ساری پرائیویٹ گاڑیاں شہر میں چلنے والی ٹیکسیاں اور بسیں ہوائی اڈے سے دو تین کلومیٹر دور کھڑی کی جاتی ہیں۔ مسافر صرف ایئرپورٹ کی ٹیکسی سے باہر جاسکتے ہیں۔ یہ ٹیکسیاں دس ڈالر کے طے شدہ کرائے پر ملتی ہیں۔ جہاں تک نجف شہر کا تعلق ہے تو وہ ایئرپورٹ سے صرف چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہم عراق پہنچتے وقت تو نجف میں نہیں رک سکے، لیکن جشن ربیع الشہادہ ختم ہوتے ہی کربلا سے بذریعہ کار نجف کے لئے روانہ ہوئے۔ کربلا اور نجف آتے وقت راستے میں جب ہمارے ڈرائیور محمد نے باآواز بلند کہا ''السلام علیک یا اباالحسن'' تو ہم کو داہنی طرف امیرالمومنین حضرت علی کے روضے کے سنہرے گنبد نظر آئے اور دل باغ باغ ہو گیا۔ نجف کہیں کہیں ایک ماڈرن شہر کی طرح لگتا ہے تو کہیں کہیں اس میں پرانی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہاں بھی کربلا کی طرح پورے شہر میں کوئی بھی عورت بغیر حجاب کے نظر نہیں آتی لیکن چہرہ ڈھانپنے کا چلن یہاں بالکل نہیں ہے بلکہ کئی جگہوں پر برقع پوش خواتین فٹ پاتھ پر دوکانیں لگائے رہتی ہیں۔ ان میں سے کچھ بڑے دلچسپ انداز میں سگریٹ پیتی ہوئی بھی نظر آتی ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے روضے کے اطراف میں کمرشیل کامپلیکس اس طرح بن گئے ہیں کہ مین روڈ سے روضہ دکھائی ہی نہیں دیتا البتہ اب پیچھے والی سڑک کی جانب بلڈنگیں گرا کر روضے کی توسیع ہو رہی ہے اس کے سبب ادھر سے روضہ دکھائی دینے لگا ہے۔ روضے کے چاروں طرف جو دکانیں ہیں ان میں زیادہ تر حجاب کا کپڑا، اسکارف، تسبیح، سجدہ گاہ، مصلے اور مٹھائیاں فروخت ہوتی ہیں۔ گراؤنڈ فلور پر دکانیں ہیں اور ان کے اوپر ہوٹل و گیسٹ ہاؤس بنے ہیں۔ روضے کے آس پاس کے سب

ہی علاقوں کا یہی حال ہے۔ دکانیں صبح سویرے ہی کھل جاتی ہیں لیکن دوپہر کو تمام دکاندار آرام کرنا پسند کرتے ہیں، اس لئے دکانوں پر ایک چادر ڈال کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں یا دکان کے اندر ہی سوتے ہیں۔ عصر کے وقت یہ دکانیں پھر سے کھل جاتی ہیں لیکن یہاں دیر رات تک مارکٹ کھلنے کا رواج نہیں ہے اور شاید سیکورٹی کے نقطہ نظر سے بھی دیر تک دکانیں کھلنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے روضے پر ہر وقت اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ راستہ بنانے کے لئے خدام ہمہ وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ روضہ کربلا کے روضوں کی طرح رات بھر کھلا نہیں رہتا بلکہ رات بارہ بجے سے بند کر دیا جاتا ہے اور تہجد کے وقت پھر کھل جاتا ہے۔ نجف کو ایک زمانے میں شیعہ فرقہ کی سب سے بڑی مذہبی درسگاہ کا درجہ حاصل تھا۔ ہندوستان کے تمام جید علمائے کرام یہیں کے فارغ التحصیل تھے۔ آیۃ اللہ محسن الحکیم کے دور تک یہ سلسلہ باقی رہا لیکن بعد میں عراق کے سیاسی حالات اتنے خراب ہوئے کہ ہندوستانی اور پاکستانی طلبہ علم دین حاصل کرنے کے لئے عراق کے بجائے ایران جانے لگے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ہندوستانی مدارس سے پاس آؤٹ طلبا ایران کے مقدس شہر قم کا رخ کرنے لگے۔ عراق-ایران جنگ کے دوران تو ہندوستانی طلبہ کا عراق جانا بالکل ختم ہو گیا۔ ۱۹۹۱ء میں کویت پر ہونے والے حملے کے بعد آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی اور صدام میں شدید اختلاف ہو جانے کے بعد خوئی صاحب کو کافی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا اور عراق کے حوزہ علمیہ کو بند کر دیا گیا، لیکن دو سال بعد آیۃ اللہ العظمیٰ بشیر نجفی صاحب نے دوبارہ دینی علم کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس بار صدام کی حکومت نے ان کو اس شرط پر اجازت دے دی کہ حوزہ علمیہ کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوگا۔ بشیر نجفی صاحب کا آبائی وطن ہندوستان ہے، لیکن ان کا خاندان تقسیم کے وقت ترک وطن کر کے پاکستان چلا گیا تھا جہاں سے وہ عراق میں جا کر بس گئے اور اب عربی زبان کے وہ اتنے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں کہ عربی داں حضرات بھی ان سے بعض عربی الفاظ کے

معنی پوچھنے کے لئے آتے ہیں۔بشیر نجفی صاحب عراق میں سیستانی صاحب کے بعد دوسرے نمبر کے مرجع تقلید ہیں۔ان کے علاوہ نجف میں آیۃ اللہ العظمیٰ فیاض صاحب اور آیۃ اللہ سید محمد الحکیم کو بھی مرجع تقلید کا مقام حاصل ہے۔شیعہ فرقہ میں مرجع تقلید اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کئی دہائیوں تک دینی علوم کا درس دینے کے بعد خود اجتہاد کا دعویٰ کرے اور لوگوں کا ایک گروہ اس کو مجتہد العصر تسلیم کرتے ہوئے دینی امور میں اسی سے فتاویٰ حاصل کرے۔یہ مرجع تقلید مختلف ممالک کے مشہور علماء کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں اور اسی وکیل کی معرفت ایک مرجع تقلید کو اس کے مقلد خمس وزکوٰۃ کی رقومات بھی بھیجتے ہیں یا اس کے مشورے سے خود فلاحی کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔عراق کے دینی مدارس کی حالت اب کچھ کچھ بہتر ہوئی ہے،لیکن ان کو ابھی ایک اوپن اسکول کی جیسی حیثیت ہی حاصل ہے۔حوزہ علمیہ کا کوئی کیمپس نہیں ہے مختلف علماء کی جانب سے الگ الگ مساجد اور امام بارگاہوں میں لیکچرز دیئے جاتے ہیں جن میں دنیا بھر سے آئے ہوئے طلباء شامل ہوتے ہیں لیکن ہندوستانی طلبا کی تعداد یہاں بہت کم ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایران میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو ماہانہ وظیفے کی جو رقم ملتی ہے وہ کافی ہے جب کہ یہاں وظیفے کے بطور جو پیسے ملتے ہیں ان میں زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ایک ہندوستانی طالب علم نے مجھے بتایا کہ یہاں وہی طالب علم آتے ہیں جو سختیاں برداشت کرنے کے متحمل ہیں۔یہاں ایران کی طرح سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں کا حوزہ علمیہ یہاں کے چاروں مراجع تقلید آپس میں صلاح مشورہ کرکے چلاتے ہیں اور طلباء کو تعلیمی وظیفوں کی تقسیم ان ہی کے دفاتر سے ہوتی ہے۔قم اور نجف کے طلباء میں واضح فرق یہ ہے کہ ایران کے فارغ التحصیل علماء فارسی بولنے میں ماہر ہوجاتے ہیں جب کہ عراق سے تعلیم حاصل کرکے وطن واپس آنے والے علماء بہترین عربی بولتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۱۸ر اگست ۲۰۱۰ء)

عراق کے طرز زندگی کی ایک جھلک

عراق کے بارے میں ایک تصور یہ تھا کہ جب وہاں پہنچوں گا تو ہر طرف امریکی کمپنیاں، امریکی اشتہارات اور امریکی فوجی نظر آئیں گے،لیکن ۱۵ر دن کے قیام کے دوران نہ تو مجھے کہیں میک ڈونالڈ کے برگر دکھائی پڑے، نہ کینٹین کی فرائی چکن اور بروسٹ کی دکانیں نظر آئیں، نہ تو یہاں Pizza Hut تھی اور نہ ہی کہیں پیپسی اور کوکا کولا کے بورڈ نظر آئے، دو ہفتوں کے دوران صرف ایک جگہ مجھ کو پیپسی کی ایک گاڑی نظر آئی،لیکن کسی ہوٹل یا دکان میں Pepsi یا کوکا کولا بکتی ہوئی نظر نہیں آئی۔ویسے عراق کے لوگ مشروبات کے بہت شوقین ہیں اور کھانے کے ساتھ دسترخوان پر کوئی سافٹ ڈرنک نہ ہو یہ ناممکن ہے،لیکن یہ ساری سافٹ ڈرنک ایسی کمپنیوں کے نام سے ہوتی تھیں، جن کے نام میں نے صرف عراق میں ہی سنے۔منرل واٹر کی بوتلیں بھی یہاں بہت عام ہیں، لیکن یہ پانی یہاں پٹرول سے زیادہ مہنگا ہے۔شاہراہوں پر بھی کہیں ایسے نشان نظر نہیں آئے، جن سے یہ لگتا کہ یہ ملک امریکہ کے قبضے میں ہے اور امریکی فوجیوں کی عدم موجودگی کا بیان میں پہلے مضامین میں کر چکا ہوں۔امریکیوں کی ہر جگہ غیر موجودگی کی جب میں نے وجہ دریافت کی تو لوگوں نے بتایا کہ عوام کی جانب سے بغیر کسی اعلان کئے امریکی مصنوعات، مشروبات اور کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا گیا ہے، اس لئے یہاں کے بازاروں میں امریکی سامان اگر ملتا بھی ہے تو اس کی پیکنگ میں کہیں دور دور تک امریکہ کا نام چھپا نہیں ہوتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق کے لوگ امریکا سے بے انتہا نفرت کرتے ہیں اور بس اسی دن کی آس میں بیٹھے ہیں کہ جب امریکی حکام وہاں سے اپنا بوریہ بستر باندھ کر چلے جائیں۔امریکی کمپنیاں یہاں اپنا پروڈکٹ لانچ کرتے ہوئے ڈرتی ہیں، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ عراقی عوام امریکی چیزیں خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ یہ کمپنیاں مسلسل دہشت گردوں کے نشانہ پر رہتی ہیں۔اس لئے

امریکیوں نے اپنے پروڈکٹس پر مقامی کمپنیوں کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ ادھر دوسری جانب عراق کی تیل کی دولت کو لوٹنے کھسوٹنے کے لئے امریکی کمپنیاں ایک دوسرے سے بازی مار لے جانے میں لگی ہوئی ہیں۔ یہ کمپنیاں جنگ کے دوران برباد کی گئی تیل انڈسٹری کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے اربوں ڈالر کے جو ٹھیکے دیئے جارہے ہیں، ان کو ہی حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ عراقی تیل کے میدانوں کو پھر سے پوری طرح فعال بنانے میں ابھی دو سال لگیں گے اور اسی لئے امریکی کمپنیاں اس دوران عراق کو پوری طرح نچوڑ لینا چاہتی ہیں۔ ان کمپنیوں کی بے ایمانیوں کے ثبوت خود امریکی جرائد اور رسائل میں ہر روز چھپ رہے ہیں۔ اس لوٹ کھسوٹ میں سامنے کی ایک مثال یہ ہے کہ امریکہ کے سابق نائب صدر ڈک چینی کی کمپنی KBR نے عراق تیل کنوؤں کی مرمت کے ٹھیکے حاصل کرنے میں عراقی حکومت سے ۲۰ کروڑ ڈالر کی اضافی رقم حاصل کی۔ اس کی تصدیق خود پنٹاگن آڈیٹروں کی جانب سے کی گئی ہے۔ اس طرح کی لوٹ کھسوٹ کرنے کے لئے ہی امریکی عراق میں آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ امریکہ کے سابق صدر جارج بش نے اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو عراقی دولت لوٹنے میں ہر طرح کی مدد کی ہوگی۔

عراقی سیاست پر میں کافی بات کر چکا ہوں اور عراق کے سفرنامے کے اس آخری مضمون میں کچھ دلچسپ باتیں، وہاں کی ثقافت اور روزمرہ کی زندگی کے بارے بتانا چاہتا ہوں۔ عراق میں ریسٹورینٹ میں کھانا کھاتے وقت آپ کو ایک بڑا فرق یہ نظر آئے گا کہ یہاں زیادہ تر ریستورانوں میں (جن کو یہاں مطعم کہا جاتا ہے) کھانے کے پیسے فی آدمی کے حساب سے چارج کئے جاتے ہیں۔ کھانے سے پہلے میز پر کئی قسم کی سلاد سجادی جاتی ہے، جس میں زیادہ تر سرکہ میں ڈوبی ہوئی ترکاریاں ہوتی ہیں۔ یا زیتون کے پھل سرکہ میں ڈبوئے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کو کھانے میں دانت کھٹے ہوجاتے ہیں، لیکن عراقی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہاں کے کھانوں میں مرچ مسالے پڑنے ہونے کا سوال نہیں اس لئے ہندوستانیوں کو کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ البتہ کئی ہوٹلوں میں طلب کرنے پر ہری مرچیں مل جاتی ہیں۔ یہاں کے کباب بہت ذائقہ دار ہوتے ہیں۔ ایک مشکل عام ہندوستانیوں کو یہاں یہ ہوتی ہے کہ یہاں گرم روٹی نہیں ملتی۔ عراق میں صدیوں سے روایت رہی ہے کہ وہاں گھروں میں روٹی نہیں پکتی، بلکہ بازاروں میں نان بائی ہوتے ہیں، جو روٹیاں بیچتے ہیں، ہر گھر اور ہر ہوٹل میں ان ہی کی دکانوں سے روٹیاں جاتی ہیں، جو گھر تک پہنچتے پہنچتے ٹھنڈی ہوجاتی ہیں۔ یہاں پوری پوری مچھلیوں کو بھون کر دسترخوان پر سجایا جاتا ہے، جو دیکھنے میں بہت اچھی، لیکن مزے میں پھیکی ہوتی ہیں۔ کھانے کے بعد پھل کھانے کا بھی بہت عام رواج ہے۔ دسترخوان پر کیلے، نارنگیاں، تربوز، خربوزے اور سیب ضرور سجائے جاتے ہیں۔ کھانے کے ساتھ پانی پینے کے بجائے عراقی لوگ سافٹ ڈرنک پینا پسند کرتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ جن کو کھانے کے بعد مٹھائی کھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ عراق میں بہت پریشان ہوتے ہیں، کیوں کہ کھانے کے بعد مٹھائی کا رواج یہاں بالکل نہیں ہے۔ گو کہ حلوائیوں کی دکانیں جابجا نظر آتی ہیں، جن پر حلویات کی مختلف قسمیں، جلیبیاں سجی ہوئی نظر آتی ہیں، لیکن کسی بھی دکان پر بھنبھناتی ہوئی مکھیاں نظر نہیں آتیں۔

عراق میں سگریٹ اور حقہ پینے کا بہت رواج ہے۔ سگریٹ اس قدر سستی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ عورتیں بھی بڑی تعداد میں سگریٹ پیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ایک عجیب چیز یہ دکھائی پڑی کہ مقامات مقدسہ کے آس پاس بھکاری بالکل نظر نہیں آتے، اتنے دنوں میں مجھے صرف تین خواتین بھیک مانگتی ہوئی نظر آئیں، حالانکہ میرے دوست آغا سلطان (جو پہلے کئی بار عراق جاچکے ہیں) نے بتایا کہ ایک زمانے میں کربلا، بغداد، نجف اور سامرہ میں زائرین کو بھکاریوں کا ہجوم بہت پریشان کرتا تھا۔ مقامات مقدسہ کے آس پاس اس قدر صفائی وستھرائی ہے کہ آپ سڑک پر اگر بیٹھ جائیں تو کپڑے میلے نہیں ہوں گے، ہمہ وقت

صفائی کرنے والے نوجوان اور گاڑیاں گھومتی رہتی ہیں، اسی وجہ سے کہیں کوڑا یا گندگی نظر نہیں آتی۔ روضوں میں داخل ہونے سے قبل جوتے رکھنے کے لئے ہر دروازے کے آس پاس کشویہ نام کے خصوصی بوتھ ہوتے ہیں اور موبائل وغیرہ رکھنے کے لئے ایک امانتی کمرہ بھی ضرور ہوتا ہے، جہاں چوبیس گھنٹے نوجوان ڈیوٹی پر موجود رہتے ہیں۔ یہ لوگ جوتے اور سامان لے کر ایک ٹوکن دیتے ہیں، لیکن جب زائرین کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو ان بوتھوں پر جوتے رکھنے کی جگہ نہیں رہتی اور آپ کہیں کنارے پر جوتے اتار کر اندر جا سکتے ہیں، خاص بات یہ ہے کہ واپس آ کر جوتے اپنی جگہ پر ملتے ہیں۔ روضوں کے اندر شمع اگربتی جلانے کی بالکل اجازت نہیں ہے (جب کہ بعض ہندوستانی درگاہوں میں شمع و اگربتی کا اس قدر دھواں ہوتا ہے کہ دم گھٹنے لگتا ہے) خدام ہر وقت عطریات کا چھڑکاؤ کرتے رہتے ہیں۔ تمام مقامات مقدسہ کے آس پاس کے علاقوں میں سیکورٹی کے مدنظر ایک ڈیڑھ کلومیٹر تک کسی قسم کی گاڑیاں چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ بس اڈوں یا ٹیکسی اسٹینڈ سے پیدل ہی چل کر روضوں تک آنا پڑتا ہے، لیکن روضوں کے آس پاس مقامات مقدسہ کا انتظام دیکھنے والی کمیٹی کی جانب سے بزرگوں اور خواتین کے لئے بیٹری سے چلنے والی گاڑیاں چلائی جاتی ہیں، جن کے لئے کوئی پیسہ چارج نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ شہر کے مختلف مقامات سے روضوں تک پہنچنے کے لئے بھی مفت سروس موجود ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت اچھا لگا کہ کربلا اور نجف میں کفن بیچنے والوں کی سیکڑوں دکانیں جابجا موجود ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان مقامات پر آنے والے زائرین میں سے کوئی ایسا نہیں ہوتا ہے، جو یہاں سے کفن نہ خریدے۔ اپنے لئے کفن خریدنا اپنے آپ میں ایک جرات مندانہ قدم ہے اور اس حقیقت کا اعتراف بھی ہے کہ زندگی کی آخری سچائیوں میں سے ایک کفن بھی ہے۔ اس کے علاوہ تسبیحیں، خاک شفا کی سجدہ گاہیں اور مصلے بیچنے والوں کی دکانیں بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ آپ ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ کربلا میں ایک بہت خاص چیز یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضوں کے درمیان میں جو وسیع و عریض راہ داری ہے، اس میں سیکڑوں لوگ قالینوں پر آرام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ روضوں کی طرف جانے والی سڑکوں کی فٹ پاتھ پر بھی قالین بچھے ہوتے ہیں۔ ان قالینوں، تکیوں اور گدوں کی فراہمی کا مفت انتظام مرکز مفقودین کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مفت ٹھنڈے پانی کا انتظام بھی بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ روضوں کے اندر اور باہر بڑے بڑے Cool Jugs میں ہر وقت آب خنک دستیاب رہتا ہے۔ تمام روضے پوری طرح سے ایئر کنڈیشن ہیں، جہاں ہمہ وقت خدام موجود رہتے ہیں۔ ان خداموں کی ایک ہی ڈریس ہے اور چھوٹے کارکن سے لے کر بڑے افسر تک ایک ہی جیسا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ زیارت کے نام پر ٹھگنے والے یا نذر کے نام پر پیسہ کھا جانے والے لوگ اب یہاں کہیں نظر نہیں آتے۔ زائرین ساری رقم ضریح کے اندر اپنے ہاتھ سے ڈالتے ہیں، جس کو مہینے میں تین چار بار کھول کر پیسہ نکالا جاتا ہے اور کرنسی نوٹوں کو مشینوں سے گن کر بینکوں میں جمع کیا جاتا ہے، اسی رقم سے روضوں کی دیکھ ریکھ اور فلاح کا کام ہوتا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۲۵/اگست ۲۰۱۰ء)



التماس ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت فرما کر جملہ مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع کی روح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم: نکّر پرنٹنگ اینڈ بائنڈنگ سینٹر
حسین آباد، لکھنؤ